

## انشائیہ نگاروں کے اسلوب میں تشبیہ کی جاذبیت

### (THE AESTHETIC APPEAL OF SIMILE IN THE STYLE OF URDU ESSAYISTS)

☆ عائشہ سیدہ

ایم فل اسکالر شعبہ اردو، رفاه انٹرنیشنل یونیورسٹی، ساہیوال کیمپس

ayeshasayeda826@gmail.com

☆ حافظہ سمیرا کوثر

ایم فل اسکالر شعبہ اردو، رفاه انٹرنیشنل یونیورسٹی، ساہیوال کیمپس

mbmujahid20@gmail.com

#### Abstract :

This research article explores the aesthetic and functional role of **simile (تشبیہ)** in the stylistic framework of Urdu essayists. The essay, as a literary genre, combines observation, imagination, and personal reflection to create a vivid and engaging reading experience. Among its stylistic devices, simile occupies a central position, transforming ordinary experiences into striking and memorable expressions. Through simile, the essayist enhances the **clarity, beauty, and philosophical depth** of the text, making abstract thoughts more concrete and emotionally resonant. The study draws upon the works of major Urdu essayists—**Patras Bukhari, Rasheed Ahmad Siddiqi, Wazir Agha, Shafiqur Rehman, and Sajjad Haider Yaldrum**—highlighting how each employs simile to serve distinct artistic purposes: humor, realism, romanticism, and philosophical reflection. For instance, Patras Bukhari uses humorous similes to create wit and charm, Rasheed Ahmad Siddiqi employs realistic and ironic comparisons, while Wazir Agha's similes reveal philosophical insight and symbolic meaning.

Moreover, the paper categorizes similes in Urdu essays into various types—**humorous, realistic, philosophical, romantic, and symbolic**—and examines their **psychological, aesthetic, and intellectual impacts** on the reader. The findings suggest that simile not only enhances the linguistic beauty of the essay but also fosters a deeper engagement between the reader and the text. However, the study also notes that excessive or superficial use of similes can lead to stylistic monotony or loss of depth.

In conclusion, simile emerges as a **powerful literary device** that enriches Urdu essays with **vivid imagery, emotional appeal, and intellectual resonance**. A successful essayist is one who balances creativity and restraint, employing simile not merely for ornamentation but as a tool for meaning-making and reader engagement.

#### Keywords:

Simile; Urdu Essay; Style; Aesthetic Expression; Humor; Realism; Philosophy; Symbolism; Patras Bukhari; Rasheed Ahmad Siddiqi; Wazir Agha; Shafiqur Rehman; Sajjad Haider Yaldrum; Literary Device; Figurative Language; Reader Engagement.

اردو ادب کی مختلف اصناف میں انشائیہ کو ایک نہایت نازک، لطیف اور دلنشین صنف تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ وہ صنف ہے جس میں مصنف اپنی انفرادیت، مشاہدے اور تخیل کو روزمرہ زندگی کے تجربات کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کرتا ہے کہ قاری کے لیے ادب کا ذائقہ بھی پیدا ہو اور فکر و نظر کی وسعت بھی۔ انشائیہ کی بنیادی خصوصیت یہی ہے کہ یہ قاری کو نہ صرف تفریح مہیا کرتا ہے بلکہ اس کے ذہن کو نئے زاویوں سے روشناس بھی کراتا ہے۔ انشائیہ کے اسلوب میں "تشبیہ" ایک ایسا عنصر ہے جو اسے دوسرے اصناف سے ممتاز کرتا ہے۔ تشبیہ کے ذریعے مصنف اپنے خیالات کو زیادہ جاذبِ نظر، بامعنی اور دلنشین بناتا ہے۔ تشبیہ وہ ادبی ہنر ہے جو ایک عام مشاہدے یا تجربے کو غیر معمولی بنا کر قاری کے دل و دماغ پر نقش کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انشائیہ میں تشبیہ کی جاذبیت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال نے اپنی تصنیف *تاریخ اصنافِ نظم و نثر* میں انشائیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"انشائیہ محض مضمون نہیں ہوتا بلکہ یہ اسلوب بیان کا ایسا گفتہ پیرایہ ہے جس میں مصنف کے ذاتی مشاہدے،

تجربے اور احساسات کو دلنشین پیرائے میں پیش کیا جاتا ہے۔ (1)"

یہی اسلوب اور ذاتی رنگ انشائیہ کو ایک زندہ اور متحرک صنف بناتا ہے۔ اور اس ذاتی رنگ کو گہرائی دینے میں "تشبیہ" نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انشائیہ میں اسلوب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگرچہ خیال اور مواد ہر صنف میں اہم ہوتے ہیں لیکن انشائیہ کا کمال اس کے اسلوب میں پنہاں ہے۔ تشبیہ کے بغیر انشائیہ بے رنگ سا دکھائی دیتا ہے۔ سید محمد حسنین اپنی تحریر میں لکھتے ہیں:

"انشائیہ کا حسن اس کی سادگی اور دلکشی میں ہے۔ یہ وہ صنف ہے جو نہ تو محض تفریح ہے اور نہ ہی صرف وعظ، بلکہ

یہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ قاری اس میں اپنی جھلک دیکھتا ہے۔ تشبیہ اس جھلک کو

آئینہ بنادیتی ہے جس میں قاری خود کو پہچانتا ہے۔ (2)"

یہ اقتباس اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ انشائیہ کا اصل حسن قاری کو اپنی گرفت میں لینے میں ہے، اور اس مقصد کے لیے تشبیہ سب سے زیادہ کارآمد ادبی حربہ ہے۔ تشبیہ ایک بنیادی شعری و نثری صنعت ہے جو قدیم سے اردو ادب کا لازمی حصہ رہی ہے۔ اس کا مقصد دو اشیاء یا کیفیات کے درمیان مماثلت پیدا کر کے بیان کو زیادہ بلیغ اور جاذب نظر بنانا ہے۔ تشبیہ محض حسن بیان کا نام نہیں بلکہ یہ معنی آفرینی اور خیال کی تہہ داری کو بھی جنم دیتی ہے۔

"حقیقت حال یہ ہے کہ نکتہ چینی جس کی بدولت ان لوگوں نے مصنفوں کی قسمت کے فیصلہ کرنے کا اختیار پایا ہے

اصل میں خواجہ حق پرست اور محنت خاتون کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ جب وہ پیدا ہوئی تو پرورش کے لئے انصاف

کے سپرد ہوئی چنانچہ دانش کے محلوں میں پال کر تربیت کیا۔ وہاں دن رات علوم کی جواہر کاری اور فنون کی مرصع

نگاری کو دیکھا کرتی تھی اور صبح و شام عقل آرائی کے باغوں میں جی بہلایا کرتی۔ جب بڑی ہوئی تو عالم بالا کی پریوں

میں داخل ہو گئی۔۔۔ (3)"

ڈاکٹر محمد اشرف کمال کے مطابق:

"تشبیہ وہ فنی وسیلہ ہے جو خیال کو بصری صورت عطا کرتا ہے۔ یہ محض لفظوں کی آرائش نہیں بلکہ ایک ایسا ادبی

پیرایہ ہے جو معنی کو زیادہ موثر، دلنشین اور پراثر بنادیتا ہے۔ (4)"

انشائیہ نگاری میں تشبیہ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ انشائیہ کا مقصد قاری کو محض واقعاتی اطلاع دینا نہیں بلکہ اس کے ذہن کو جھنجھوڑنا اور دل کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ جب انشائیہ نگار ایک عام سا مشاہدہ پیش کرتا ہے اور اسے ایک نادر تشبیہ کے ساتھ قاری کے سامنے رکھتا ہے تو وہ مشاہدہ غیر معمولی بن جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے سید محمد حسنین لکھتے ہیں:

"تشبیہ قاری کو متن کے قریب لے آتی ہے۔ وہ چیزیں جو عام طور پر ہماری نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں، تشبیہ کے

آئینے میں زیادہ واضح اور زیادہ قریب محسوس ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انشائیہ نگار اپنی تحریر میں تشبیہ کے استعمال

سے نہ صرف مزاح پیدا کرتے ہیں بلکہ قاری کو سوچنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔ (5)"

اردو انشائیہ کے ابتدائی دور میں ہی تشبیہ کو اہم مقام ملا۔ پطرس بخاری کے انشائیوں میں مزاح کے ساتھ ساتھ تشبیہ کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے۔ رشید احمد صدیقی نے اپنے انشائیوں میں تشبیہ کے ذریعے طنز اور ہلکی پھلکی شگفتگی کو جنم دیا۔ اسی طرح وزیر آغا نے انشائیہ کو ایک فلسفیانہ رخ دیتے ہوئے تشبیہ کو فکری اور جمالیاتی زاویوں سے برتا۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اردو انشائیہ میں تشبیہ محض ایک فنی صنعت نہیں بلکہ یہ اس صنف کا بنیادی اوزار ہے، جو اسے دلکشی اور شگفتگی عطا کرتا ہے۔

اردو انشائیہ کے بانیوں میں پطرس بخاری کا نام سب سے نمایاں ہے۔ ان کے انشائیے روزمرہ زندگی کے عام مشاہدات کو غیر معمولی بنادینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کا اسلوب مزاحیہ بھی ہے اور بے حد دلکش بھی۔ تشبیہ کے استعمال سے وہ عام چیزوں کو نئی معنویت عطا کر دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر پطرس بخاری ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"کبھی کبھی کتابوں کی شکل بھی ایسی لگتی ہے جیسے پرانے دوستوں کے چہرے، جن پر وقت کے نشانات نمایاں

ہوں۔ (6)"

یہاں کتاب کو دوست سے تشبیہ دے کر نہ صرف قاری کو قریب کر دیا گیا بلکہ علم اور رفاقت کے باہمی تعلق کو بھی نمایاں کیا گیا۔ رشید احمد صدیقی کے انشائیوں میں طنز اور مزاح کا پہلو نمایاں ہے۔ وہ تشبیہ کو طنزیہ رنگ دینے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تشبیہ محض جمالیاتی ضرورت نہیں بلکہ طنز اور مزاح پیدا کرنے کا ایک ہنر بھی ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایک استاد کے حلیے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کی داڑھی ایسے تھی جیسے پرانے کاغذوں پر چھپے ہوئے سیاہی کے دھبے۔ (7)"

یہ تشبیہ محض مزاحیہ نہیں بلکہ سماجی مشاہدے کا ایک گہرا اشارہ بھی دیتی ہے۔ وزیر آغا نے انشائیے کو محض مزاحیہ صنف کے طور پر نہیں برتا بلکہ اسے فکری، فلسفیانہ اور جمالیاتی رنگ دیا۔ ان کے ہاں تشبیہ زیادہ تر زندگی کے بڑے سوالات سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔

"انسان کا دل ایک آئینہ ہے، جس میں کائنات کی ہر شے کا عکس پڑتا ہے، لیکن یہ آئینہ اکثر گرد آلود ہو جاتا ہے۔"

(8)

یہاں تشبیہ انسان کی روحانی اور فکری کیفیات کو مجسم کرتی ہے۔ ان کے ہاں تشبیہ فلسفے اور جمالیات کا سنگم بن جاتی ہے۔ شفیق الرحمن کے انشائیوں میں شگفتگی، سادگی اور ہلکی پھلکی مزاح نمایاں ہے۔ ان کی تشبیہیں روزمرہ زندگی سے ماخوذ ہیں اور قاری کو براہ راست مسکراہٹ پر مجبور کر دیتی ہیں۔

مثال کے طور پر وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

"دوست جب غصے میں آتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے چائے کا کپ اُبل رہا ہو اور ابھی پھلکنے والا ہو۔ (9)"

یہ تشبیہ قاری کو نہ صرف مزاح مہیا کرتی ہے بلکہ ایک مانوس تجربے کو ادبی سطح پر بلند کر دیتی ہے۔

"مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر میں ہمیشہ ہی جلے ہوئے رہتے ہیں۔۔۔ (10)"

یہ اقتباس بھی ان کے اس اسلوب کی مثال ہے جو سنجیدہ موقع کو ہنسی خوشی کی فضا میں ڈھال دیتا ہے۔

اردو انشائیہ میں کرشن چندر، سجاد حیدر یلدرم اور مختصر انشائیہ نگاروں نے بھی تشبیہ کو اپنے انداز میں برتا۔ کرشن چندر کے انشائیے جذبات اور حقیقت نگاری کے امتزاج کے لیے جانے جاتے ہیں، جہاں تشبیہ قاری کو سماجی و معاشرتی مسائل کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ جبکہ سجاد حیدر یلدرم کے ہاں رومانوی تشبیہوں کا رنگ نمایاں ہے جو ان کے اسلوب کو نرمی اور شیرینی عطا کرتا ہے۔

تشبیہ محض لفظی صنعت نہیں بلکہ ایک ایسا فنی وسیلہ ہے جو فکر کو گہرائی اور اسلوب کو دلکشی عطا کرتا ہے۔ انشائیہ میں جب کوئی خیال تشبیہ کے ساتھ آتا ہے تو وہ صرف ایک بیان نہیں رہتا بلکہ ایک تصویر، ایک احساس اور ایک زندہ تجربہ بن جاتا ہے۔

"یہ دراصل موضوعات کی بولچھنیوں کے تسلسل تو اتر کے ہمراہ نئے تیز و ترنگ کو پیدا کرنا چاہتا

ہے۔۔۔ (11)"

اردو انشائیہ نگاروں نے اپنے مشاہدات کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرنے کے لیے تشبیہ کو وسیلہ بنایا۔

مثال کے طور پر رشید احمد صدیقی کی ایک تشبیہ حقیقت نگاری کی بہترین مثال ہے:

"ان کی شخصیت ایسے تھی جیسے پرانی حویلی، باہر سے شاندار مگر اندر سے کھوکھلی۔ (12)"

یہ تشبیہ بیک وقت مزاحیہ بھی ہے اور حقیقت پسندانہ بھی۔  
 تشبیہ کا دوسرا اہم پہلو اس کا تخیلاتی کردار ہے۔ انشائیہ نگار محض حقیقت کو بیان نہیں کرتا بلکہ اسے تخیل کی روشنی میں نئے رنگ عطا کرتا ہے۔  
 پطرس بخاری کی مشہور تشبیہ:

"بس میں بیٹھا ہوا آدمی ایسا لگتا ہے جیسے دنیا کی سیر پر نکلا ہو مسافر، حالانکہ وہ دفتر کے سوا کہیں نہیں جا رہا ہوتا۔"

(13)

کئی انشائیہ نگاروں نے تشبیہ کو محض حقیقت یا مزاح تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے علامتی سطح تک لے گئے۔  
 وزیر آغا اس ضمن میں نمایاں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"انسان کا ضمیر ایک چراغ ہے، جو اکثر ہوا کے جھوکوں میں بجھنے کے قریب ہوتا ہے، لیکن پھر بھی روشنی دیتا رہتا ہے۔"

ہے۔ (14)

یہ تشبیہ محض ایک اخلاقی نکتہ بیان نہیں کرتی بلکہ اسے علامتی سطح پر ایک ایسی تصویر میں ڈھال دیتی ہے جو قاری کے ذہن پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔  
 تشبیہ کی سب سے بڑی جاذبیت اس کا جمالیاتی اثر ہے۔ انشائیہ کا اصل حسن یہی ہے کہ یہ قاری کے ذہن میں تصویریں بناتا ہے، اور وہ تصویریں تشبیہ کے ذریعے زیادہ دلکش اور بامعنی ہو جاتی ہیں۔  
 جیسا کہ سید محمد حسنین نے لکھا ہے:

"تشبیہ انشائیہ کو ایک خوشبو کی مانند بنا دیتی ہے جو ہر سطر سے اٹھتی ہے اور قاری کے دل و دماغ میں اتر جاتی ہے۔ یہی

وہ جمالیاتی پہلو ہے جو انشائیہ کو دیگر اصناف سے ممتاز کرتا ہے۔ (15)

تشبیہ کے مختلف رنگ اور انداز اردو انشائیہ میں نظر آتے ہیں۔ ہر انشائیہ نگار اپنی فکری ترجیحات اور اسلوب کے مطابق تشبیہ کو برتتا ہے۔ یہ تشبیہیں کبھی مزاح پیدا کرتی ہیں، کبھی حقیقت کو زیادہ واضح کرتی ہیں، کبھی فلسفیانہ تاثر چھوڑتی ہیں اور کبھی رومانوی رنگ میں ڈھل جاتی ہیں۔ مزاحیہ تشبیہ انشائیہ کا سب سے دلکش پہلو ہے۔ اس سے نہ صرف قاری محظوظ ہوتا ہے بلکہ ایک عام سامشاہدہ بھی یادگار بن جاتا ہے۔ پطرس بخاری اس انداز کے سب سے بڑے استاد ہیں۔ وہ عام انسان کی حرکات و سکنات کو مزاحیہ تشبیہ میں یوں بیان کرتے ہیں:

"ملازم کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے مرغی انڈہ دینے کے بعد کڑکراتی پھرے۔" (16)

یہ تشبیہ بظاہر ہلکی پھلکی ہے مگر اس میں روزمرہ کی زندگی کا بڑا گہرا طرز بھی موجود ہے۔ حقیقت پسندانہ تشبیہ میں انشائیہ نگار سماجی یا انسانی حالات کو براہ راست اور بے لاگ انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس کے ذریعے کردار یا منظر پوری وضاحت کے ساتھ قاری کے ذہن میں ابھر آتا ہے۔ رشید احمد صدیقی کی ایک مشہور تشبیہ ہے:

"ان کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے پرانے چراغ کی لو، کبھی روشن، کبھی مدھم۔" (17)

یہاں کردار کی تھکن، بے بسی اور وقت کے اثرات کو بڑی حقیقت پسندی سے دکھایا گیا ہے۔ فلسفیانہ تشبیہیں وزیر آغا اور بعض دیگر انشائیہ نگاروں کے ہاں نمایاں ہیں۔  
 ان کے نزدیک تشبیہ محض منظر نگاری نہیں بلکہ فکر کی نئی جہتیں کھولنے کا ذریعہ ہے۔ وزیر آغا ایک جگہ لکھتے ہیں:

"انسان کی زندگی ایک دریا ہے جو بہتے ہوئے پتھروں سے ٹکرا کر اپنی سمت بناتا ہے۔" (18)

یہ تشبیہ نہ صرف فلسفیانہ ہے بلکہ زندگی کے نشیب و فراز کو علامتی انداز میں پیش کرتی ہے۔ رومانوی تشبیہوں نے بھی اردو انشائیہ کو نرمی اور شیرینی عطا کی ہے۔ سجاد حیدر یلدرم کے ہاں یہ پہلو خاص طور پر نمایاں ہے۔ ان کی تحریروں میں جذباتی اور رومانوی تشبیہیں قاری کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔

"یادیں دل کے کونے میں ایسے سمیرا کرتی ہیں جیسے پرندے گھونسلے میں۔" (19)

یہ تشبیہ سادگی کے ساتھ رومانوی اثر بھی پیدا کرتی ہے۔ انشائیہ میں بعض اوقات تشبیہ محض وضاحت کے لیے نہیں بلکہ علامت کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس کا مقصد قاری کو ایک گہرے مفہوم تک لے جانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ سید محمد حسنین لکھتے ہیں:

"تشبیہ انشائیہ میں اکثر علامت کاروپ دھار لیتی ہے اور اس کے ذریعے مصنف وہ کچھ کہہ دیتا ہے جو براہ راست ممکن نہیں ہوتا۔" (20)

یہ تمام اقسام انشائیہ کی دلکشی کو کئی گنا بڑھا دیتی ہیں اور قاری کو نہ صرف محظوظ کرتی ہیں بلکہ سوچنے پر بھی مجبور کرتی ہیں۔ تشبیہ انشائیہ نگاری کا وہ جوہر ہے جو اسے دیگر اصناف نثر سے ممتاز کرتا ہے۔ محض خیال کی وضاحت سے بڑھ کر یہ صنعت قاری کے ذہن اور دل دونوں پر اثر ڈالتی ہے۔ اس کے اثرات کو ہم تین بڑے دائروں میں تقسیم کر سکتے ہیں: نفسیاتی، جمالیاتی اور علمی۔ تشبیہ قاری کے ذہن پر فوری اور براہ راست تاثر چھوڑتی ہے۔ انشائیہ چونکہ جذبات، مشاہدات اور خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے، اس میں تشبیہ قاری کو تجربے میں شریک کر دیتی ہے۔ جیسا کہ پطرس بخاری لکھتے ہیں:

"طالب علم کی حالت امتحان کے دنوں میں ایسی ہوتی ہے جیسے کمری قصابی کی دکان پر۔" (21)

یہ تشبیہ قاری کے ذہن میں ایک فوری نفسیاتی تصویر ابھارتی ہے جو محض وضاحتی جملے سے ممکن نہ تھی۔ تشبیہ انشائیہ کو جمالیاتی حسن عطا کرتی ہے۔ یہ تحریر کو محض بیانیہ یا تنقیدی نہ رہنے دیتی بلکہ اس میں دلکشی اور شگفتگی شامل کرتی ہے۔ سید محمد حسنین کے مطابق:

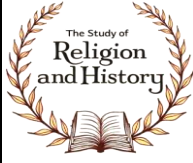
"تشبیہ انشائیہ میں ایسا ہے جیسے پھول کی خوشبو۔ یہ محض زینت نہیں بلکہ ایک ایسی لطافت ہے جو قاری کو بار بار متن کی طرف کھینچتی ہے۔" (22)

بہی جمالیاتی اثر انشائیہ کو ادب کی اعلیٰ اصناف میں شامل کرتا ہے۔ تشبیہ انشائیہ کو محض جذباتی سطح پر محدود نہیں رکھتی بلکہ اسے علمی و فکری وسعت بھی عطا کرتی ہے۔ فلسفیانہ تشبیہیں قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں اور متن کو محض شگفتگی سے آگے بڑھا کر معنوی گہرائی عطا کرتی ہیں۔ وزیر آغا کی ایک تشبیہ دیکھیں:

"زندگی ایک کتاب ہے جس کے ہر صفحے پر وقت کی تحریر درج ہے۔" (23)

یہ تشبیہ قاری کو فلسفیانہ سوچ کی طرف مائل کرتی ہے اور انشائیہ کو فکری رفعت عطا کرتی ہے۔ تشبیہ کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ یہ قاری کو محض ناظر نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے شریک تخلیق بنادیتی ہے۔ جب قاری کسی تشبیہ کو پڑھتا ہے تو وہ اپنی یادداشت اور تجربات کی بنیاد پر اس کا مفہوم اخذ کرتا ہے۔ تشبیہ کے استعمال نے اردو انشائیہ کو بے حد دلکش اور موثر بنایا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے پر سامنے آتے ہیں۔ ان پہلوؤں میں کامیابیاں بھی شامل ہیں اور چند کمزوریاں بھی۔ تشبیہ نے انشائیہ کو خشک نثر کے بجائے ایک زندہ، شگفتہ اور پرکشش صنف بنادیا۔ چند انشائیہ نگار بار بار ایک ہی طرز کی تشبیہوں کو دہراتے ہیں، جس سے ان کے اسلوب میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ پہلو خاص طور پر ثانوی درجے کے انشائیہ نگاروں میں نمایاں ہے۔ اگرچہ تشبیہ کا مقصد معنوی گہرائی پیدا کرنا ہے، لیکن بعض اوقات محض تفریح یا مزاح پیدا کرنے کی غرض سے ایسی سطحی تشبیہیں دی جاتی ہیں جو متن کو عارضی طور پر دلچسپ تو بنا دیتی ہیں مگر دیر پا اثر نہیں چھوڑتیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ تشبیہ انشائیہ کے لیے ایک طاقتور وسیلہ ہے۔ کامیاب انشائیہ نگار وہی ہے جو اس وسیلے کو اعتدال، فکری گہرائی اور تخلیقی توازن کے ساتھ برتے۔ تشبیہ انشائیہ کا سب سے موثر ہتھیار ہے، لیکن یہ ہتھیار اس وقت ہی کامیاب ہوتا ہے جب مصنف اسے تیز بھی رکھے اور قابو میں بھی۔

اردو انشائیہ نگاری کے فنی ارتقا میں تشبیہ کی حیثیت بنیادی اور مرکزی رہی ہے۔ انشائیہ کا اصل مقصد محض واقعات بیان کرنا یا خیالات کا اظہار نہیں بلکہ قاری کے ساتھ ایک فکری اور جمالیاتی رشتہ قائم کرنا ہے۔ تشبیہ اس رشتے کو ممکن بناتی ہے۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ انشائیہ نگاروں نے مختلف اسالیب میں تشبیہ کا استعمال کیا۔ کبھی حقیقت نگاری کے لیے، کبھی مزاح اور تفریح کے لیے، اور کبھی فلسفیانہ یا علامتی معنویت کے اظہار کے لیے۔ رشید احمد صدیقی نے روزمرہ کے کرداروں اور واقعات کو طنزیہ اور مزاحیہ تشبیہوں کے ذریعے زندہ جاوید بنادیا۔ پطرس بخاری نے سادہ اور شگفتہ انداز میں ایسی تشبیہیں تراشیں جو قاری کے ذہن میں فوری اثر پیدا کرتی ہیں۔ وزیر آغا نے اس میں فلسفیانہ گہرائی اور علامتی جہت شامل کی۔ تشبیہ کے اثرات کا دائرہ صرف زبان تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے انشائیہ کے قاری کو براہ راست متاثر کیا۔ ایک طرف یہ صنعت تحریر میں جمالیاتی حسن اور دلکشی پیدا کرتی ہے، تو دوسری طرف یہ فکری گہرائی اور معنویت کو بھی بڑھاتی ہے۔ تاہم تنقیدی جائزے سے یہ بھی واضح ہوا کہ بعض انشائیہ نگاروں نے تشبیہ کو مبالغہ آمیز یا سطحی انداز میں برتا، جس سے متن کا تاثر وقتی یا غیر موثر بن گیا۔



# THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: [3006-](#)

[3329](#)

ISSN E: [3006-](#)

[3337](#)

## حوالہ جات

- 1- اشرف کمال، تاریخ اصنافِ نظم و نثر (مع اقسام)، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2017ء)، ص 279۔
- 2- سید محمد حسنین، صنفِ انشائیہ اور چند انشائیے، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1973ء)، ص 318۔
- 3- سید محمد حسنین، بہار کے نو چراغ، (پٹنہ: بھونر پرکھر، 1952ء)، ص 217۔
- 4- اشرف کمال، تاریخ اصنافِ نظم و نثر (مع اقسام)، ص 280۔
- 5- سید محمد حسنین، انشائیہ اور چند انشائیے، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 1997ء)، ص 200۔
- 6- احمد شاہ بخاری، پطرس کے مضامین، (نئی دہلی: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، 2011ء)، ص 125۔
- 7- رشید احمد صدیقی، کلیاتِ رشید احمد صدیقی (انشائیے 001)، (دہلی: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، 2012ء)، ص 87۔
- 8- وزیر آغا، چمک اٹھی لفظوں کی چھاگل، (لاہور: کتب نمائندہ بلیشرز، 1998ء)، ص 211۔
- 9- شفیق الرحمن، مزید حماقتیں، (لاہور: غالب بلیشرز، 1983ء)، ص 323۔
- 10- شفیق الرحمن، مزید حماقتیں، ص 125۔
- 11- وزیر آغا، انشائیہ کے خدوخال، (نئی دہلی: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، 2012ء)، ص 79۔
- 12- رشید احمد صدیقی، مضامینِ رشید، (علی گڑھ: انجمن ترقیِ اردو ہند، 1964ء)، ص 139۔
- 13- احمد شاہ بخاری، پطرس کے مضامین، ص 89۔
- 14- وزیر آغا، اردو ادب میں طنز و مزاح، (لاہور: اکیڈمی پنجاب ٹرسٹ، 1958ء)، ص 154۔
- 15- سید محمد حسنین، بہار کے نو چراغ، ص 325۔
- 16- احمد شاہ بخاری، پطرس کے مضامین، ص 247۔
- 17- رشید احمد صدیقی، مضامینِ رشید، ص 357۔
- 18- وزیر آغا، انشائیہ کے خدوخال، ص 89۔
- 19- سجاد حیدر یلدرم، پرانے خواب اور دو اور افسانے، (علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی پریس، 1930ء)، ص 255۔
- 20- سید محمد حسنین، صنفِ انشائیہ اور چند انشائیے، ص 258۔
- 21- احمد شاہ بخاری، پطرس کے مضامین، ص 299۔
- 22- سید محمد حسنین، انشائیہ اور چند انشائیے، ص 256۔
- 23- وزیر آغا، چمک اٹھی لفظوں کی چھاگل، ص 279۔